تحقیق و تنقید

مولانا ارشاد الحق اثری
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل

سانحۂ کربلا میں اِفراط و تفریط کا جائزہ

[بعض تسامحات کا تذکرہ]

محترم و مکرم مولانا عبد الرحمٰن مدنی صاحب...... زادکم اللہ عزاً و شرفاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاجِ گرامی!

"محدث" الحمد للہ ہر ماہ باقاعدہ مل رہا ہے بلکہ اس کے وقیع مضامین کی بنا پر اس کے آنے کا انتظار رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس ماہنامہ کے ذریعہ جو علمی جہاد آپ کر رہے ہیں، اسے شرفِ قبولیت سے نوازے...... آمین!

گذشتہ ماہ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کے شمارہ ۵ میں ایک مضمون کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جسے مولانا عبد الرحمٰن عزیز نے "سانحۂ کربلا میں افراط و تفریط کا جائزہ" کے عنوان سے رقم فرمایا ہے۔ میرا خیال تھا کہ کوئی رجل رشید اس پر توجہ فرمائے گا مگر اس کے بعد شمارہ نمبر ۶ موصول ہوا تو یہ خیال خواب ثابت ہوا یا کسی مہربان نے شائد اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اس لئے مجبوراً اپنے احساسات کا اظہار آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آئندہ شمارہ میں اسے شائع کر دیں گے تاکہ اس موضوع سے متعلق ایک دوسرا پہلو بھی قارئین کرام معلوم کر سکیں۔ (اثری)

جنابِ محترم! آپ اور تاریخ و رجال سے دلچسپی رکھنے والے سبھی حضرات اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرات صحابہ کرام کے مابین پیدا ہونے والے نزاعات / مشاجرات کے نتیجہ میں ان میں جو فکری اختلاف پیدا ہوا، ان میں رافضی، خارجی اور ناصبی نظریات اور ان کے اہداف کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ان کے مقابلہ میں اہلسنّت / اہلحدیث ہی ایک فکر ہے جو بحمد اللہ صراطِ مستقیم پر قائم رہا، جادۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور افراط و تفریط کی پگڈنڈیوں سے محفوظ رہا۔ رافضیوں کے برعکس اہل بیت کے ساتھ ساتھ سب صحابہ کرام کا احترام اُن کا جزوِ ایمان ہے۔ ناصبی جس طرح خاندانِ نبوت اور ان کے ہم نواؤں کے ساتھ عناد رکھتے تھے یا خارجیوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ کے بارے میں جو طوفانِ بدتمیزی کھڑا کیا تھا، اہل سنت ان نظریات سے ہمیشہ بیزاری کا اظہار کرتے رہے۔ ایک کے دفاع میں دوسرے کی تنقیص ان کا قطعاً شیوا نہیں رہا۔ مگر سخت حیرت کی بات ہے کہ "سانحۂ کربلا میں افراط و

تفریط کا جائزہ" پیش کرتے ہوئے خود مولانا عبدالرحمٰن عزیز صاحب شعوری یا غیر شعوری طور پر افراط و تفریط کا شکار ہوگئے۔ اور جب یہ تحریر "محدث" جیسے علمی ماہنامہ میں شائع ہوئی تو گویا یہ سب محدثین رحمہم اللہ کے افکار کی امین جماعت کے موقف کی ترجمان بن گئی، حالانکہ ایسا قطعاً نہیں مثلاً

حضرت حجر بن عدی (صحابی) کو سبائی لیڈر کہا گیا

(۱) کہا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ کی امیر معاویہؓ سے مصالحت ہوئی تو کوفیوں نے حضرت حسنؓ کو ورغلانے کی کوشش کی۔ بلکہ حضرت حسنؓ کی اس مصالحت کو بھی انہوں نے ناگوار سمجھا ...... چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن عزیز کے الفاظ ہیں :

"حضرت حسنؓ نے جب اپنے حواریوں سے تنگ آکر حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے بیعتِ خلافت کی تو سبائیوں کو انتہائی ناگوار گزرا۔ ان کی برابر کوشش ہی تھی کہ صلح نہ ہونے پائے چنانچہ سبائی لیڈر حجر بن عدی نے حضرت حسنؓ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو حضرت حسنؓ نے اسے بڑی سختی سے ڈانٹا" (محدث، ص ۱۴)

قطع نظر اس کے کہ حضرت حسنؓ نے یہ مصالحت "حواریوں سے تنگ آکر کی تھی یا اس کے اور بھی اَسباب تھے، مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جن "سبائیوں" کو یہ مصالحت ناگوار گزری، ان کے جس "سبائی لیڈر" کا نام حَجَر بن عَدِي لیا گیا ہے، یہ کون ہے؟

جنابِ من! یہ سبائی لیڈر حجر بن عديِ صحابی رسول ہیں...... ابن اثیرؒ لکھتے ہیں:

"وفد على النبی ﷺ هو وأخوه هانئ و شهد القادسية وكان من فضلاء الصحابة" (اسد الغابہ: ج۱، ص ۳۸۵)

کہ "حضرت حجرؓ اور ان کے بھائی ہانی، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے۔ جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئے اور فضلائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔"

امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۴۶۸، حافظ ابن حجر نے الاصابہ ج ۱ ص ۳۴۹، حافظ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۶۳، تجرید اسماء الصحابہ ص ۱۲۳، العبر ج ص ۵۷، تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۳۳، ابن حمادؒ نے شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۷، ابن حزمؒ نے جمہرۃ انساب العرب ص ۴۲۶، اور ابن عساکرؒ وغیرہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن سعدؒ نے صحابہ میں ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تابعین میں بھی شمار کیا ہے۔ مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "أما أن يكون ظنه آخر وأما أن يكون ذهل" کہ انہوں نے یہ کوئی اور راوی سمجھا ہے یا ان سے بھول ہوئی کہ حجر بن عدیؓ کو تابعین میں بھی ذکر کر دیا۔

امام بخاریؒ، امام ابوحاتمؒ اور امام ابن حبانؒ نے بلاشبہ انہیں تابعین میں شمار کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں

جبکہ ابو بکر بن حفص جیسے تابعی ان کے بارے میں "حجر بن عدی رجل من اصحاب النبی ﷺ" فرماتے ہیں (الاصابہ) اور مصعبؒ بن عبداللہ الزبیری جیسے امام بھی انہیں صحابی قرار دیتے ہیں اور اکثر متاخرین کی بھی یہی رائے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں "قال غير واحد وفد مع أخيه هانئ" (السیر) لہٰذا ان پر "سبائی لیڈر" کا الزام اہل سنت کے فکر کی آئینہ دار نہیں۔ اسی "جرم" کی بنا پر مولانا عبدالرحمٰن عزیز نے ان پر "رضی اللہ عنہ" کی علامت بھی مناسب نہیں سمجھی...... یہ رویہ بھی بہر نوع غلط ہے۔

حضرت سلیمانؓ بن صرد خزاعی کو بطورِ صحابی متعارف نہیں کرایا گیا

(۲) اسی طرح چند سطور بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں :

"حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہ جواب دیا" (محدث ص ۱۴)

آگے چل کر موصوف اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

"آخری خطوط کوفہ کے بڑے بڑے سرداروں کی جانب سے تھے جن میں سے سلیمان بن صرد، شیث بن ابی یزید، عزرہ بن قران، عمر بن حجاج زیدی، عمر بن تمیمی، حبیب بن نجد، رفاعہ بن شداء اور حبیب بن مظاہر قابل ذکر ہیں" (محدث ص ۱۶)

جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان "کوفی لیڈروں" میں جو سرفہرست "سلیمان بن صرد" ہیں، وہ بالاتفاق مشہور صحابی حضرت سلیمانؓ بن صرد خزاعی ہیں۔ صحاحِ ستہ میں ان سے روایات مروی ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ حوالہ جات کی ضرورت ہی نہیں۔ بلاریب انہوں نے حضرت حسینؓ کو خطوط لکھے۔ جب ان کی مدد نہ کرسکے تو ندامت کا اظہار بھی کیا۔ ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان کوفی لیڈروں میں حضرت سلیمان بن صرد خزاعی معروف صحابی ہیں۔ ان کے اسی "جرم" کی بنا پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے ان کے نام پر بھی "رضی اللہ عنہ" کی علامت مناسب نہیں سمجھی۔ یہ روش بہر نوع درست نہیں جس سے ناصبیّت کی بو آتی ہے۔

(۳) انہی خط لکھنے والوں میں ایک جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب ہے جیسا کہ محدث ص ۱۴ میں ہے جبکہ یہ بھی صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ کا شرفِ زیارت حاصل ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۱ ص ۲۴۷، ۲۶۹) میں بیان کیا ہے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے یہاں بھی "رضی اللہ عنہ" کی علامت مناسب نہیں سمجھی۔

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سلف کے موقف سے اہل علم واقف ہیں۔ سلف نے اس بارے گفتگو کی جو ممانعت کی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس سے احترام و تقدسِ صحابہ کرامؓ پر حرف آتا ہے اور ان کے بارے میں ناروا زبانیں کھل جاتی ہیں۔ افسوس کہ مضمون کے مذکورہ مقامات سے اسی کی بو

آ رہی ہے، اسی امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

مقامِ یزید بن معاویہ امام احمد بن حنبل کی نظر میں

(۴) اسی عنوان کے تحت (بحوالہ خطباتِ بخاری ص ۳۸۵) لکھا گیا ہے:

"امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ "یزید بن معاویہ سے روایت نہ لی جائے۔" امام احمدؒ کا دین اور پرہیز گاری میں بڑا بلند مقام ہے اور روایات قبول کرنے میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ بنابریں امام احمد کی مستند کتاب سے یزید بن معاویہ کی روایت نقل کر دینا ہی یزید کی ثقاہت کے لئے کافی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب الزہد میں یزید بن معاویہ کا قول نقل کیا ہے کہ یزید اپنے خطبہ میں کہا کرتا تھا (اس روایت کو قاضی ابو بکر ابن العربی نے اپنی مایہ ناز کتاب العواصم من القواصم میں بھی ذکر کیا ہے)۔ "جب تم میں سے کوئی بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جائے اور تندرست ہو جائے تو وہ غور کرے۔ جو افضل ترین عمل ہوں ان کو لازم پکڑے پھر اپنے کسی بدترین عمل کو دیکھے تو اسے چھوڑ دے" ......

یزید کا یہ قول نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا مقام امام احمدؒ کی نگاہ میں بلند تھا یہاں تک کہ اسی کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے لوگ گناہ چھوڑتے ہیں" (محدث ص ۳۲)

مجھے سمجھ نہیں آئی کہ امام احمدؒ کے قول کے لئے "خطباتِ بخاری" پر انحصار کیسے کیا؟ جس بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ "امام احمدؒ بن حنبل سے یہ بات منسوب کی گئی ہے......" یہ بہر حال "خطبات" ہیں۔

واضح رہے کہ امام احمدؒ کی طرف سے یہ "منسوب" ہی نہیں بلکہ امام ابو بکر الخلالؒ نے بھی اُن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "لایذکر عنه حدیث" (المنتخب من العلل للخلال ص ۲۴۳ لابن قدامہؒ) اور حافظ ذہبیؒ نے بھی میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۴۰ میں ان کا یہی قول ذکر کیا ہے۔ اسی لئے یہ بات محض فقط "منسوب" نہیں، ایک حقیقت ہے کہ واقعتاً امام احمد کا یہ فرمان ہے۔

رہی یہ بات کہ "امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ان کا قول نقل کیا ہے......" یہ عبارت العواصم من القواصم ص ۳۰۷ مترجم سے حرف بحرف نقل کی گئی ہے اور العواصم کے عربی ایڈیشن ص ۲۳۳ میں یہ عبارت موجود ہے۔ مگر اس کے بعد امام ابن العربیؒ نے جو فرمایا، اسے مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے نقل نہیں کیا بلکہ وہ شاید اس سے بے خبر ہیں چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"نعم وما أدخله إلا فی جملة الصحابة قبل أن يخرج إلى ذكر التابعين"

جس کا ترجمہ مترجم ہی کے الفاظ میں پڑھ لیجئے...... "ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ امام احمدؒ

نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اسی کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے"

مولانا عبدالرحمٰن صاحب جو "العواصم" کے حوالے سے یزید کی پاکدامنی اور اس کے زہد و تقویٰ کی دلیل بیان فرما رہے ہیں، وہ ذرا امام ابن العربی ؒ کے اس موقف کی طرف بھی توجہ دیں کہ امام احمدؒ نے تو یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے۔ ہم تو اس پر إنا لله وإنا إليه راجعون کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ عہد عثمانِ غنیؓ میں پیدا ہونے والا یزید صحابہ میں! ایں چہ بوالعجبی است اور پھر اس قول کا انتساب امام احمدؒ کی طرف "ظلمات بعضها فوق بعض" کا مصداق ہے۔

امام ابن العربیؒ بلاشبہ بہت بڑے امام، فقیہ اور مفسر گزرے ہیں مگر تھے تو انسان ہی۔ یہ کہنے میں یقیناً ان سے سہو ہوا۔ بالکل اسی طرح یہاں یزید بن معاویہ بن ابی سفیان سمجھنے میں بھی ان سے سہو ہوا۔

اولاً تو تتبع بسیار کے باوجود کتاب الزہد سے یزید بن معاویہ کا یہ قول نہیں ملا۔ البتہ امام عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد بروایت نعیم بن حماد ص ۳۹ رقم ۱۵۶ میں یہی قول "أنا حنظلة بن أبي سفيان قال نا ابن أبي ملكية قال سمعت يزيد بن معاوية يقول في خطبته...... الخ" نقل کیا ہے۔

ثانیاً: یہاں یزید بن معاویہ سے ابن ابی سفیان نہیں بلکہ الکوفی النخعی مراد ہیں جو کہ تابعی تھے اور کوفہ کے عابدین و زاہدین میں ان کا شمار ہوتا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۰ میں اسی کا تذکرہ کیا ہے۔ امام احمدؒ کی کتاب الزہد ص ۳۶۷، میں ان کے صاحبزادے عبداللہ کے زوائد میں اسی یزید بن معاویہ النخعی کا ایک اور قول بھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے یہاں ابن ابی سفیان مراد لینا بالکل اسی طرح امام ابن العربیؒ کا وہم ہے جیسا کہ یزید بن معاویہ کو صحابی کہنے اور یہ قول امام احمدؒ کی طرف منسوب کرنے میں وہم ہوا۔

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ العواصم کے حاشیہ میں علامہ محب الدین الخطیب نے جا بجا اپنی آرا کا اظہار کیا ہے مگر وہ اس مقام پر امام ابن العربیؒ کی اس فروگذاشت پر خاموشی سے گزر گئے پھر اس کے تراجم اور حواشی لکھنے والے حضرات نے بھی یہاں خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ معلوم نہیں کیوں؟ یزید کی صفائی میں حقائق سے آنکھیں بند کر کے مکھی پر مکھی مارنا کوئی تحقیقی اور علمی خدمت نہیں۔

ہمارا مقصد یہاں نہ یزید کا دفاع ہے نہ اس کے مثالب و محامد پر بحث مطلوب ہے بلکہ زیر نظر مضمون میں امام احمدؒ کے حوالہ سے یزید کے بارے میں ایک بات ذکر ہوئی بس اس کی حقیقت بیان کرنا ہے...... إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله العلي العظيم